22140217

International Baccalaureate®
Baccalauréat International
Bachillerato Internacional

URDU A: LITERATURE – HIGHER LEVEL – PAPER 1
OURDOU A : LITTÉRATURE – NIVEAU SUPÉRIEUR – ÉPREUVE 1
URDU A: LITERATURA – NIVEL SUPERIOR – PRUEBA 1

Friday 9 May 2014 (morning)
Vendredi 9 mai 2014 (matin)
Viernes 9 de mayo de 2014 (mañana)

2 hours / 2 heures / 2 horas

INSTRUCTIONS TO CANDIDATES

- Do not open this examination paper until instructed to do so.
- Write a literary commentary on one passage only.
- The maximum mark for this examination paper is *[20 marks]*.

INSTRUCTIONS DESTINÉES AUX CANDIDATS

- N'ouvrez pas cette épreuve avant d'y être autorisé(e).
- Rédigez un commentaire littéraire sur un seul des passages.
- Le nombre maximum de points pour cette épreuve d'examen est *[20 points]*.

INSTRUCCIONES PARA LOS ALUMNOS

- No abra esta prueba hasta que se lo autoricen.
- Escriba un comentario literario sobre un solo pasaje.
- La puntuación máxima para esta prueba de examen es *[20 puntos]*.

© International Baccalaureate Organization 2014

ذیل میں سے کسی **ایک** اقتباس پر ادبی تبصرہ کیجیے۔

.1

دوشالہ

آخر سرور کے سمجھانے سے اماں جان کا دل ہار گیا۔ ان کا دل جو اتنا بوڑھا ہو چکا تھا، کہ مدافعت کی سکت ہی نہ رہی تھی اور وہ دن آن پہنچا جب ان کا ٹوٹا پھوٹا رسیوں سے جکڑا ہوا صندوق دالان میں رکھا تھا۔ سرور نے اس کے اوپر سُتلی سے بندھا ہوا بستر، ایک لوٹا، ناشتے دان اور پاندان لا کے رکھ دیا۔ بہو نے اپنا پرانا برقع ٹھیک ٹھاک کر کے دے دیا۔ اب اس عمر میں انہیں اپنا چاند سا چہرہ چھپانے کے لیے سیاہ برقعے کی ضرورت نہ تھی۔

گھسی ہوئی آدھی سلیم شاہی جوتیاں انگوٹھوں میں اٹکائے وہ سارے گھر میں سٹر پٹر کرتی پھر رہی تھیں۔ اپنی سٹھیائی ہوئی یادوں کو اکٹھا کر کے بار بار سوچتیں کہ کن کن چیزوں کی اٹھا دھری کرنا ہے۔ ان پر وہ وحشت سوار ہو چکی تھی جو سفر کا آغاز ہوتی ہے۔ ادھر انہوں نے کمرے سے باہر قدم نکالا اور ادھر ان کا پوتا توقیر اور اس کی بہن جمال کوٹھڑیا کا جائزہ لینا شروع کر دیتے تھے۔ وہاں کی ہر چیز ان کے کام کی تھی۔ مکڑی کے جالوں اور ٹوٹے پھوٹے سامان کے ڈھیر پر وہ مایا کے سانپ کی طرح کنڈل مارے بیٹھی رہتی تھیں۔ جمال محض ان کے ستانے کے لیے زمین پر سے پان کا ڈنٹھل بھی اٹھا لیتی تو وہ چیخ پڑتی تھیں۔

"اے بیٹا، کیا چیز لیے جائے ہے، وہ میرے کام کی ہے۔"

اب انہیں دور سے سجھائی تھوڑا دیتا تھا۔ بس یوں ہی الل ٹپ کہہ دیتی تھیں۔

"پان کا ڈنٹھل۔۔۔؟"

"دیکھوں۔۔۔؟" اماں جان اس کی ہتھیلی اپنی آنکھوں سے لگا کے یقین کر لیتیں، مگر تجھے ہر چیز اٹھانے کا لپکا کیوں ہے؟ ان کا جی ڈوب جاتا تھا۔ ان بچوں کی وجہ سے تو ان کی گردن پر تلوار رکھی رہتی تھی۔ یہ بات نہ تھی کہ انہیں اپنے پوتے اور پوتی سے نفرت ہو مگر جس کے پاس دولت ہو اس کا دل تو دھڑکا ہی کرتا ہے۔ ہر طرف ڈاکوؤں کے پڑاؤ نظر آتے ہیں۔ ان کے چار بڑے لڑکے اور ایک لڑکی گھر بار سمیت پاکستان سدھار چکے تھے۔ ایک سرور تھا کہ کلرکی پر قناعت کیے باپ دادا کی پرانی حویلی میں چراغ جلا رہا تھا۔ جس کے اماں جان کی طرح دانت بھی ٹوٹ چکے تھے۔ اور کمر بھی جھک گئی تھی۔ دراصل سرور کی بیوی نہ چاہتی تھی کہ وہاں بھی چار جٹھانیاں اور ایک ساس، بہو بہو پکار کے اس کی گردن جھکائے رکھیں۔ مگر اماں جان گھر نہ چھوڑنے کے بہانے آپ بھی آنکس نہالے اس کی گردن پر سوار تھیں ویسے اب گھر سے مراد ان کی کوٹھڑیاں تھیں۔ جوں جوں گھر پر بہوؤں اور ان کی اولاد کا قبضہ ہوتا گیا وہ پیچھے سرکتی رہیں۔ یہاں تک کہ اس سیلی ٹپکتی چھت کی کوٹھڑی پر ان کی اجارہ داری رہ گئی۔ یہاں انہوں نے ہر وہ چیز جمع کر رکھی تھی جو ان کی

بہوؤں کے خیال میں پھینک دینے کے قابل تھی۔ یہاں ان کی زندگی کے سارے زنگ آلود کل پرزے ٹوٹے پڑے تھے۔ وہ خالی جام کا تلچھٹ چھپائے بیٹھی تھیں۔ ٹوٹے ہوئے فانوسوں کے رنگین پتھر، زندگی بھر ساری تقریبوں میں سیئے جانے والے کپڑوں کی کترنیں، ان بچوں کے ٹوٹے پھوٹے کھلونے جن کے بچے بھی اب کھلونوں سے بہلائے جا سکتے۔ یہ سب دولت انہوں نے لکڑی کے صندوق میں اتنی حفاظت سے چھپا رکھی تھی جیسے حنوط کر کے اپنی یادوں کی ممیاں سجا رکھی ہوں۔

اس میں زربفت کی اچکن تھی جو اماں جان کے میاں نے دولہا بنتے وقت پہنی تھی۔ اور ان کی سچی چینی کی رکابیوں کے ٹکڑے تھے جو ان کی ماں اپنی جہیز میں لائی تھیں۔ ان کے ابا کا فرغل تھا اور ان کے لکڑ دادا کا تاریخی دوشالہ۔ جب اماں جان ساری بازیاں ہار کے زندگی کے ناپیدار کنار سمندر میں غوطے لگا رہی تھیں کہ اچانک اس دوشالے کی محبت انہوں نے گمشدہ جزیرے کی طرح پالی تھی۔ ان کی تاریک کوٹھڑی میں وہ ہزار کینڈل پاور کا بلب تھا۔ جس کی روشنی میں کوئی راہ کٹھن نہ رہی تھی۔

دوشالہ کا کپڑا ہر ہر تہہ پر سے پاپڑ کی طرح ٹوٹ چکا تھا، مگر اس کے کارچوب میں سے کئی سیر چاندی نکالی جا سکتی ہے۔۔۔ یہ بات ایک دن بہو نے سرور کو سمجھائی۔۔۔ اور دوسرے دن، جب اماں جان اپنے بیمار بھانجے کو دیکھنے گئی تھیں، وہ دوشالہ بڑی احتیاط سے نکالا گیا۔ بہو نے اسکی جگہ اپنی پرانی رضائی رکھ کر اسی طرح گٹھڑیوں کی تہیں پکے ٹانکوں سے سی دیں۔ اسی طرح پرانے ازار بند اوپر سے لپیٹ کر صندوق میں رکھا اور صندوق کے اوپر سب گٹھڑیاں، پوٹلیاں، افیون کی ڈبیا، دواؤں کی شیشیاں اور پان کا دونا۔ ہر چیز یوں جمائی کہ سوائے گرد کے کوئی چیز اپنی جگہ سے نہ ہلی۔ اماں جان کی آنکھوں میں اب اتنا دم تو تھا نہیں کہ روز روز پکے ٹانکے ادھیڑ کے دوشالے کو زمانے کی ہوا سے میلا کرتیں۔ اس لیے وہ بڑے اطمینان سے بہو کی رضائی سینے سے لگائے جئے جا رہی تھیں۔

رات رات بھر جاگ کر اس کی حفاظت کرتیں بات بات پر اونچی ہو کر بہو کو جواب دیتیں۔ بلا سے ان کا بیٹا ایک ایک پیسے کو ترسائے۔ وہ چاہیں تو آج اپنے دادا کا دوشالہ بیچ کر ٹھاٹ کریں۔ اس دوشالے کی حفاظت کے لیے ان کے سارے بھرے بسرے خواب چوکھٹ پر دھرنا دیئے بیٹھے رہتے تھے۔ اگر ذرا سی لاپروائی سے دوشالہ کھو جائے تو اس کے ساتھ اماں جان کا بچپن کھو جاتا۔ کنوارا پن کھو جاتا۔۔۔ بیاہی زندگی کی اذیت ناک مٹھاس اور بڑھاپے کی تسکین آمیز کڑواہٹ۔۔۔ توبہ ہے۔ اتنی لاشوں پر رونے کے لیے اب عمر کہاں سے آئے گی۔ اس لیے تو انہیں اپنے پانچ بچوں کو ان کی اولاد سمیت بھول جانا پڑا تھا۔ وہاں سے جس کا خط آتا۔

جیلانی بانو، دوشالہ، (۔۔۱۹)

.2

سیاحت ظریف

کچھ ریل گھر کا حال کروں مختصر بیاں
وہ نو بجے کا وقت وہ ہنگامے کا سماں
قلیوں کا لاد لاد کے لانا وہ پیٹیاں
بجنا وہ گھنٹیوں کا وہ انجن کی سیٹیاں
گڑبڑ مسافروں کی بھی اک یادگار تھی
عورت پہ مرد مرد پہ عورت سوار تھی
القصّہ ریل جب سوئے جھانسی رواں ہوئی
اور شکل لکھنؤ کی نظر سے نہاں ہوئی
جو تھرڈ میں تھے ان کے لیے بھی اماں ہوئی
پنجوں پہ دھکے کھا کے جگہ کچھ عیاں ہوئی
تھا تیسرا پہر نہ بخوبی ہوئی تھی شام
چھوٹا جو ساتھ ریل کا ہم سب سے والسلام
یعنی سواد بمبئی اس دم نظر پڑا
ٹھہری ٹرین اک ایک مسافر اُتر پڑا
کچھ بمبئی کا حال کروں مختصر بیاں
چوڑی سڑک دو رویہ کئی منزلے مکاں
ہر سُو ملوں کا شہر میں پھیلا ہوا دھواں
ہر ایک مالے کے لیے دس بیس سیڑھیاں
کمرہ ہر ایک کاٹھ کا پنجرہ سلا ہوا
ہر ایک مکیں پھندیت ہو جیسے پلا ہوا
بیٹھے اٹھے وہیں پہ وہیں کھانا بھی پکائے

منہ ہاتھ دھوئے چاہے وہیں بیٹھ کر نہائے
سونے کے واسطے نہ مسہری اگر بچھائے
پھیلیں نہ پیر کنڈلی جو مارے تو ہاں سمائے
ایسی جگہ پہ گر کہیں رہنے کو جا ملے
انسان کو زندگی میں لحد کا مزہ ملے
بائیس فروری کی سحر جب میاں ہوئی
اٹھے سویرے جیسے ہی ظلمت نہاں ہوئی
اسباب باندھ بوندھ کے ہشیار ہو گئے
گاڑی بلائی چلنے کو تیار ہو گئے

ظریف لکھنوی، ماسٹر پیسز آف اردو ہیومرس پوئٹری،(تدوین ۲۰۰۲)